تعارف وتبصرہ

باقیاتِ فتاویٰ رشیدیہ

نادر ونایاب چیزوں کے حصول پر بے پناہ خوش ہونا ایک فطری بات ہے، پھر اگر وہ نایاب خزانے علم کی دولت سے مالا مال ہوں اور اُن کی نسبت ایسے اہل علم کی طرف ہو جن سے وابستگی کو انسان اپنے لیے باعث فخر اور آخرت کا سرمایہ شمار کرتا ہو تو خود اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ایسے نایاب خزانے کے حصول پر ہم جیسے اکابر کی نسبتوں کو اپنے لیے سرمایہ سمجھنے والے کس قدر خوش ہوئے ہوں گے!

ایسی ہی ایک خوشی کی بات خاص اُس وقت حاصل ہوئی جب ابوحنیفۂ عصر، قطب الاقطاب حضرت اقدس مولانا رشید احمد محدث گنگوہی قدس سرہ کے اب تک نادر ونایاب اور غیر مطبوعہ، گوشہ گمنامی میں دبے رہنے والے فتاویٰ پر مشتمل تازہ علمی سوغات میرے ہاتھوں میں آئی اور میں کبھی اُس کے سرورق کو بغور دیکھتا تو کبھی اندرونی صفحات الٹتا پلٹتا ہوا اُس میں کھو جاتا۔ ایسا کیوں نہ؟ کیوں کہ حضرت گنگوہی قدس سرہ وہ عظیم شخصیت ہیں جن سے ہماری تمام نسبتیں خواہ وہ علمی ہوں یا جہادی، فقہی ہوں یا صوفیانہ، سب انہیں سے جڑی ہوئی ہیں، ان کی ذات ہماری محبتوں اور عقیدتوں کا محور، ان کی فکر ونظر ہمارے لیے بدعات کی تاریک اندھیروں میں رہنما قندیل، ان کی مخلصانہ، زاہدانہ اور بے لوث دینی خدمات میں ہمارے لیے آگے بڑھنے کے لیے مفید سبق آموز باتیں، ان کی اصلاحی اور جہادی خدمات میں دینی غیرت وحمیت کی روشن کرنیں آج بھی ایسی تاثیر رکھتی ہیں جن کے پڑھنے اور سننے سے ذوقِ علم کو آبیاری اور شوقِ عمل کو مہمیز ملتی ہے۔

عجیب اتفاق یہ بھی ہے کہ یہ کتاب اُس وقت منظر عام پر آئی جب کہ حضرت کی وفات پر ایک صدی پوری ہو رہی ہے، گویا نئی صدی کے آغاز پر دوبارہ حضرت گنگوہی قدس سرہ کے فیض کا آفتاب طلوع ہوا ہے۔ حضرت گنگوہی قدس سرہ کی خدمات کے حوالے سے یہ بات بلا تردید کہی جا سکتی ہے کہ برصغیر ہندو پاکستان میں حضرت شاہ محمد اسماعیل شہید کے بعد اِتباع سنت اور رسوم وبدعات کی تردید میں کوئی اور آواز اس قدر طاقتور اور بلند بانگ نہیں تھی، جیسی حضرت مولانا گنگوہی کی تھی، حضرت مولانا نے اسی انداز وآہنگ میں، اس پیام کی تجدید کی اور اس پیغام کو، جس پر زمانہ گزرنے کے ساتھ، کچھ میل سا آنے لگا تھا، اس شان سے زندہ کیا، کہ وہ پھر ایک نئی قوت، نئی طاقت اور مسلسل تحریک بن کر، متحرک اور رواں ہو گیا۔

حضرت مولانا گنگوہی اپنے وقت کے عظیم محدث بھی تھے اور بلند پایہ شیخ طریقت بھی، اسی لیے آپ کے حلقہ

تربیت سے جو اَفراد اُٹھے، ان میں سے ایک بڑی تعداد ایسے علماء اور اَصحابِ معرفت کی تھی، جنہوں نے اس دعوت و پیام کو اپنا نصب العین بنا کر، اپنی زندگیاں اس کی جدوجہد اور اس کی تبلیغ وترویج کے لئے وقف کردی تھیں اور اپنی سادگی، بے نفسی اور بے غرض کوشش سے، اسکی جڑیں بہت دور تک اور اس طرح گہرائی تک پہنچادی تھیں، کہ ان سے خود بخود نئی نئی کونپلیں، نئے نئے پودے، پھوٹتے اور پروان چڑھتے رہتے ہیں، فکر وعمل کے نئے گلستان آباد ہوتے رہتے ہیں، جس میں ایسی شادابی تازگی اور مہک ہوتی ہے، کہ اُمت کا ایک بڑا طبقہ اس کے فیض سے آراستہ ہوکر، ان خوشبوؤں سے اپنا دامن بھر لینا چاہتا ہے اور اس چمنستان سے ملتے تحفوں کو دوسروں تک پہنچانا، اپنی سعادت وخوش بختی خیال فرماتا ہے، یہ نئے افراد اس تحریک کے ایسے ہی پرجوش خادم بنتے ہیں اور راہ شریعت وسنت پر اسی طرح قدم بہ قدم چلنے کی کوشش کرتے ہیں جس طرح ان کے بزرگوں اور اس خانوادہ کے اکابر علماء نے چلنے کی کوشش کی تھی۔

حضرت مولانا نے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ، دین کی خدمت، تعلیم وتدریس، اصلاح وارشاد اور معاشرہ کی برائیوں کو ختم کرنے میں گزارا، عقائد اور معالات کے بگاڑ کو دور کرنے کی کوشش کی، فقہی مسائل ومباحث میں عوام و خواص کی رہنمائی، ان کے سوالات کے جوابات لکھنا، ان کے علمی وقلبی سوالات ومشکلات کے حل کی جستجو اور بھٹکے ہوئے آہو کو بہتر سے بہتر طریقے اور عمدہ سے عمدہ ترین تدبیر کے ذریعہ سے، صحیح راستہ پر لانے کی دن رات بلکہ تمام عمر متواتر جدوجہد کی، جو حضرت مولانا کا طغرائے امتیاز ہے۔ دارالعلوم دیوبند اور مدارس اِسلامیہ کی تاسیس کی جو روایت، قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کی مبارک شخصیت سے شروع ہوئی تھی، اُس کی سب سے زیادہ آبیاری اور سرپرستی حضرت مولانا گنگوہی سے ہوئی، ان مدارس کے ذریعہ سے علم وکمال اور خدمت قرآن وحدیث اور فقہ وشریعت کا جو دریا جاری ہوا اور اتباع دین وشریعت کی جو فضا قائم ہوئی اور جو بادِ بہاری چلی، اس میں بھی حضرت والا کے رسوخ فی العلم اور دعوت واتباع سنت کے گہرے اثرات میں بہت بڑا بلکہ غیر معمولی حصہ ہے۔

حضرت مولانا کی ذات گرامی سے، جو بے شمار دینی منافع امت کو حاصل ہوئے، خصوصاً برصغیر پاک وہند بلکہ افغانستان وماوراء النہر کی ملت اسلامیہ کو جو رہنمائی ملی اور فکر وبصیرت کا جو خزانہ ہاتھ آیا، اس میں حضرت کی تصانیف ومؤلفات اور تحریرات وفتاویٰ کے ساتھ، حضرت مولانا کے عالی مرتبت شاگردوں کا بھی، بہت بڑا حصہ ہے، یہ شاگرد اور تربیت یافتہ اصحاب کئی قسم کے تھے۔ بعض اصحاب حدیث شریف کی گرہ کشائی میں ماہر تھے، تو بہت سے حضرات سلوک وطریقت میں کامل اور دینی شرعی مسائل کی واقفیت اور جواب دہی میں منفرد، ان میں سے کچھ تو ایسے ہیں کہ ان میں سے کسی ایک فن میں یگانہ روزگار تھے، کچھ ایسے جن کو دو چیزوں میں کمال اور بصیرت حاصل تھی اور بیشتر ایسے جو اِن میں سے ہر ایک منزل کے رہ نورد، ہر ایک دریا کے غوّاص اور حدیث وفقہ، یا سلوک ومعرفت، ہر ایک کی، اعلیٰ درجہ کی بصیرت ونظر سے سرفراز اور ہر ایک کی گرہ کشائی میں، اپنے عصر کے لئے نشانِ راہ اور مینارۂ نور تھے۔

یوں تو حضرت مولانا کے شاگردوں اور مستفیدین کی ایک بڑی تعداد ہے مگر یہاں صرف اُن حضرات کے نام ذکر کئے جاتے ہیں، جنہوں نے حضرت مولانا کی خدمت میں قیام کرکے یا ان سے استفادہ کرکے ایک مدت تک فقہ و

فتاویٰ کی تعلیم حاصل کی، فتاویٰ نویسی کے اصول جانے، اسکی عملی مشق کی، اور بعد میں خود ایسے ثابت ہوئے، کہ ان اب کے نام اور ان کے کام (عظیم الشان خدمات کے علاوہ) اور فقہ وفتاویٰ کی دنیا میں ان کا ایسا بلند مرتبہ ہے کہ ان میں سے بعض کے فتاویٰ اور فقہی ہدایات کا ایک پورا دبستان قائم ہو چکا ہے۔ ان شاگردوں کے کارناموں سے ہی حضرت گنگوہی قدس سرہ کے علوم وفیوض کا ادراک ہو جاتا ہے:

۱: مولانا حافظ احمد (خلف حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی)

۲: حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی:

۳: حضرت علامہ محدث العصر محمد انور شاہ کشمیری:

۴: حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی دیوبندیؒ

۵: حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری، مہاجر مدنیؒ

۶: حضرت مولانا صدیق احمد کاندھلویؒ

۷: حضرت مولانا عبد الغفار صاحب اعظمیؒ

۸: حضرت مولانا مفتی عبد الکریم پنجابیؒ

۹: حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی دیوبندیؒ

۱۰: حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلویؒ (حوالہ: مقدمہ متذکرۂ بالا کتاب)

الغرض حضرت گنگوہی قدس سرہ نے تقریباً پینتالیس سال تک تحریر فتاویٰ میں بسر کئے اور آپ کے فتاوی اپنے زمانے میں نمایاں استنادی حیثیت رکھتے تھے مگر چونکہ اس وقت ان فتاوی کو جمع رکھنے کا کوئی انتظام نہ تھا اس لیے بلاشبہ ایک بہت بڑا ذخیرہ زمانے کی دست برد کا شکار ہو کر ضائع ہو گیا۔

مگر اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے کاندھلہ کے علمی خانوادے کے عالم باعمل صاحبِ تحقیق عالم دین حضرت مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی صاحب کو جنہوں نے ہندوستان کے اجڑتے علمی خزانوں کو جمع کیا، انہوں نے اپنی زندگی اکابر دیوبند اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے علمی خانوادے کی نادر ونایاب اور غیر مطبوعہ تحریرات جمع کرنے کے لیے وقف کر رکھی ہے۔ اس وقت پورے ہندوپاک میں اکابر کی نادر ونایاب علمی تحقیقات کا جس قدر ضخیم ذخیرہ مولانا کے پاس جمع ہے شاید ہی کسی اور شخص کے پاس ہو، پھر مولانا نے ان خزائن علمیہ کو صرف تلاش کرنے اور جمع کرنے پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ ان پر دن رات کی محنت صرف کر کے ان پر تحقیقی کام کیا، ان پر مفید توضیحی حواشی لکھے، اور انہیں مختلف اہل علم کی نظروں سے گزار کر افادہ عام کے لیے ان کی اشاعت کا انتظام کیا۔

زیر تذکرہ کتاب جس کا نام ''باقیات فتاویٰ رشیدیہ'' ہے ایک ایسی ہی علمی اور تاریخی سوغات ہے جو ہندوستان میں چھپنے کے بعد اب پاکستان میں شائع ہو چکی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب اکابر دیوبند سے وابستگی رکھنے والے تمام اہل علم عموماً اور اصحاب فقہ وفتاویٰ کے لیے خصوصاً ایک بڑی خوش خبری اور نادر تحفہ ہے۔ اس میں حضرت گنگوہی قدس

سرہ کے تقریباً ایک ہزار کے قریب ایسے فتاویٰ جمع کیے گئے ہیں جو پہلے سے موجود فتاویٰ رشیدیہ میں شامل نہیں تھے اور اب تک غیر مطبوعہ یا ناپید تھے۔ دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث وصدر المدرسین مفتی سعید احمد پالن پوری مدظلہ نے ان تمام فتاویٰ کو لفظ بلفظ ملاحظہ فرمایا ہے اور ان پر توضیحی حواشی بھی تحریر فرمائے ہیں اور بہت سے مقامات پر اصل تحریروں سے ان کا تقابل بھی کیا ہے اور استاذ محترم حضرت مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی کی تقریظ نے اس کتاب کو مزید قابل اعتناء اور لائق استناد بنا دیا ہے۔ ہمارے ماحول میں عمومی طور پر اکابر سے وابستگی کے بلند بانگ نعروں کے باوجود ان کے خزائن علمیہ سے بے رخی اور بے اعتنائی کی فضا طاری ہے اور تحقیق طلب کاموں کی طرف رغبت کا جو فقدان ہے، اس ماحول میں ایسی کاوش یقیناً نئے فضلاء اور علمی لگن رکھنے والوں کے لیے ایک بہترین نشان منزل ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کی تیاری اور منظر عام پر لانے میں کاوش کرنے والے تمام اصحاب علم وفضل کو جزائے خیر عطا فرمائے اور ان کی اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں مقبول ومنظور اور حضرت گنگوہی قدس سرہ کے لیے صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین

(تبصرہ نگار: مدثر جمال تونسوی۔ بشکریہ ہفت روزہ ''القلم'')

قرآن پاک کے منظوم تراجم یا کلام اللہ کے ساتھ کھلواڑ

نام مصنف: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

ناشر: گوشۂ مطالعات فارسی علی گڑھ (ہند)

ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی کا تعلق علی گڑھ (ہندوستان) سے ہے، مگر پاک وہند اور ایران کے علمی وادبی حلقے نہ صرف یہ کہ آپ کے نام سے شناسا ہیں بلکہ آپ کے علمی وتخلیقی شہ پاروں کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اُردو اور فارسی میں درجن سے زائد نثری وشعری تخلیقات زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر نذرِ قارئین ہو چکی ہیں۔ اس وقت راقمِ سطور کے پیشِ نظر ۲۴ صفحات پر مشتمل کتابچہ بہ عنوان ''قرآن پاک کے منظوم تراجم یا کلام اللہ کے ساتھ کھلواڑ'' ہے۔ جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے، یہ کتابچہ قرآن مجید کے منظوم اُردو تراجم پر نقد ہے۔ ڈاکٹر رئیس نعمانی جہاں کہیں دینی حوالے سے کوئی منفی قلمی سرگرمی دیکھتے ہیں تو آپ کی دینی حمیت بے دار ہو جاتی ہے اور ہر قسم کی رواداری کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اُس کے خلاف قلمی جہاد کو اپنے اوپر فرض قرار دیتے ہیں۔ برصغیر پاک وہند کے علمی وتحقیقی مجلّات کے ان گنت صفحات پر آپ کے تنقیدی مضامین ومکاتیب اِس بات کا بین ثبوت ہیں۔ راقم الحروف کے پیشِ نظر کتابچہ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ اس مختصر مضمون میں آپ نے مولانا محمد حسن کے منظوم ترجمہ بہ عنوان ''اُردو منظوم ترجمۂ قرآن مجید''، عطا قاضی کے منظوم ترجمہ ''مفہوم القرآن'' پروفیسر سمیع اللہ اسد کے ''قرآن منظوم'' اور جناب انجم عرفانی کے ''منظوم القرآن'' پر نقد کیا ہے۔ اوّل الذکر کے ماسوا بقیہ تینوں تراجم راقمِ سطور کی ذاتی لائبریری میں موجود ہیں۔

جناب رئیس نعمانی نے اپنے کتابچہ میں اِن چاروں تراجم کے صرف سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ کے اوّل رکوع کے منظوم ترجمے کا تجزیہ پیش کیا ہے اور بقیہ ترجمۂ قرآن کو اسی پر قیاس کرنے کا کہا ہے۔ منظوم ترجمے کا تجزیہ کرتے ہوئے